گلی گلی غدار بھرے ہوئے ہیں لیکن کوئی انھیں غدار کیوں نہیں کہتا؟

جمہوریت کے نتیجے میں غدار اور وفادار میں کوئی فرق نہیں رہتا

فارسی کی کتاب ''وقائع عبدالقادر خانی'' کے مطابق انگریزوں سے مل کر مرہٹوں سے غداری کرنے والے ایک منشی بھوانی شنکر ذات کا کھتری تھا۔ مرہٹہ گردی میں یہ شخص بڑا سربرآوردہ رئیس اور دولتمند تھا۔ یہ منشی پہلے ریاست گوالیار میں بخشی تھا۔ جب مرہٹوں نے دِلّی پر تسلّط کیا تو اس کو ایک بڑی ذمہ داری کی خدمت پر دِلّی بھجوایا، لیکن بھوانی شنکر انگریزوں سے مل گیا۔ مرہٹوں نے اس سازش کے الزام میں اسے موقوف کر دیا۔ لیکن انگریزوں نے منشی کو پنشن دی جو اس کی اولاد پر بھی جاری رہی چونکہ منشی بھوانی شنکر انگریزوں سے مِل گیا تھا اس لئے مرہٹے اسے نمک حرام کہنے لگے اور دِلّی میں اس کا مکان ''نمک حرام کی حویلی'' مشہور ہو گیا۔ منشی بھوانی شنکر کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی اس نے انگریزوں سے شکایت کی جو اس زمانہ میں دِلّی پر قابض تھے۔ چنانچہ انگریزی حکام کی طرف سے احکام جاری ہوئے اور عام منادی کی گئی کہ نہ تو کوئی منشی جی کو نمک حرام کہے اور نہ ان کے مکان کو نمک حرام کی حویلی۔ لیکن یہ منادی بمصداق ''الانسان حریص علیٰ ما مُنع'' اور زیادہ شہرت کا سبب ہوئی اور ہر شخص کی زبان پر یہی لفظ چڑھ گیا۔ [ترجمہ مولوی معین الدین، جلد اول، ۱۹۶۰ء، کراچی]

آج سے صرف ایک سو پچاس سال پہلے اگر کوئی شخص انگریزوں سے وفاداری اور اہل ہند سے غداری کرتا تھا تو اسے نمک حرام اور اس کے گھر کو نمک حرام کی حویلی کا خطاب مل جاتا تھا لیکن آج جب پاکستان ہندوستان اور عالم اسلام کی گلی گلی میں غداروں کے لشکر رہ رہے ہیں تو کوئی انھیں غدار نہیں کہتا کوئی انھیں نمک حرام نہیں کہتا اس کی کیا وجہ ہے؟ وہ کون سا تغیر برپا ہوا ہے کہ وفاداری اور غداری کی سرحدیں ختم ہو گئی ہے۔ پاکستان بلکہ عالم اسلام کے ہر محلے اور ہر علاقے میں نامور غدار موجود ہیں جنھوں نے ہر مشکل وقت میں دین سے وطن سے غداری کی ہے لیکن انھیں کوئی غدار نہیں کہتا وہ بھی انھیں غدار کہنے سے گریز کرتے ہیں۔ جنھوں نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے موقع پر پاکستان میں انتخابات کو کفر و اسلام کی جنگ قرار دے کر اسے پاکستان کی بقاء کا معاملہ قرار دے کر بہت سی سیاسی جماعتوں کو اور شخصیات کو غدار وطن غدار ملک و قوم و غدار دین قرار دیا تھا۔ تحفظ نظریہ پاکستان فنڈ قائم کر کے سوشلسٹوں کے خلاف اعلان جہاد کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ محمد عربی کی امت کا ملک ہے جہاں کوئی ازم نہیں چلے گا۔ وہ بھی اپنے جہاد سے اور اس جہاد پر موجود یقین و ایمان سے دستبردار ہو گئے ہیں لیکن اس رجوع کے شرعی دلائل سے امت کو ابھی تک محروم رکھا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ماضی میں غدار کو غدار کہنے میں کوئی تامل کیوں نہ تھا؟ اس کی واحد وجہ صرف یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے زمانے میں جمہوری عمل، جمہوری ریاست، جمہوری ادارے، جمہوری طرز زندگی موجود نہ تھا۔ لہٰذا غدار و وفادار خلط ملط

نہیں ہو سکتے تھے۔ جمہوریت کا کمال یہ ہے کہ وہ غدار اور وفادار کا فرق مٹا دیتی ہے۔ خیر و شر اس کے گھاٹ پر شیر و شکر ہو کر پانی پیتے ہیں اور اصل خیر صرف جمہوری عمل کا تحفظ، جمہوریت کی بحالی، آمریت سے نجات کے نام پر دستوریت کا فروغ رہ جاتے ہیں اور دین، نظریہ، حق، خیر، جمہوریت کی چوکھٹ پر جمہوریت کے وسیع ترین مفاد میں قربان کر دیے جاتے ہیں اور کارکنوں کو فریب دیا جاتا ہے کہ جمہوریت کے گرد و غبار سے اسلامی انقلاب کا شہسوار برآمد ہونے والا ہے۔ جمہوریت میں عوام مقتدر [Soverign] ہوتے ہیں۔ اسلام میں مقتدر صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ لاک اور روسو نے خدا کی رضا کو جمہور کی رضا میں ڈھونڈ لیا تھا۔ مذہبی جماعتیں بھی will of God کو will of people کے ذریعے تلاش کر رہی ہیں اور پچاس برس سے ٹھوکریں کھا رہی ہیں۔

انسانی حقوق کی بنیاد پر سیاست کرنے والے انقلابی مجاہدوں اور اسلامی تحریکوں کو یہ تک معلوم نہیں کہ انسانی حقوق کے منہاج میں کسی بیرونی مقتدرہ [External authority] کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ وہ انسانی حقوق کے فلسفے اور مابعد الطبعیات [Metaphysics] سے ناواقف ہیں مگر علم کے بغیر اس کفر کی حمایت میں مصروف ہیں انھیں معلوم نہیں کہ اس منہاج فلسفہ میں حرام و حلال یا خیر و شر کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بنیادی حقوق کے دائرے میں مرضی الٰہی [will of God] کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ انسانی حقوق کے طریقہ عمل [Discourse] میں جمہور [Public] اور آزادی [Freedom] یعنی نفس انسانی کے سوا کسی مقتدرہ [Authority] کو تسلیم نہیں کیا جاتا لہٰذا اس منہاج میں قرآن و سنت کے وجود کا سوال ہی بے معنی ہے۔ اس دائرے میں صرف اور صرف [will of Individual] فرد کی مرضی اصل ماخذ علم ہوتی ہے۔ اور نفس انسانی ارادۂ انسانی ہی ذات خداوندی کا متبادل بلکہ فی الاصل خدا ہوتے ہیں لہٰذا دنیا کی تمام جمہوری ریاستوں کا بنیادی وظیفہ گناہ گاروں کے گناہوں کا تحفظ ہوتا ہے۔ انسانی حقوق کے ذریعے تمام گناہ گار جمہوری ریاستوں میں شرفاء اور نیکوکار بن جاتے ہیں اور تمام نیک لوگ بدمعاش ٹھہرتے ہیں اور نیک لوگوں کی نیک خواہشات دین کی تعلیمات، وحی کے احکامات قدیم روایات اجتماعیتوں کی قدغنیں اور اصول فرد کی آزادی میں مداخلت قرار دے کر اس کے خلاف جمہوری ریاست کے خیر کل [Absoulute good] اور حقیقت مطلقہ [Absolute Reality] آزادی [Freedom] کی آڑ میں قانونی قدغنیں عائد کر دی جاتی ہیں۔ اس کی مثال لاہور کی میراتھن ریس ہے کہ چند سو مردوں عورتوں کے سڑکوں پر مخلوط دوڑنے کے لیے ہزاروں پولیس والے تعینات کیے گئے اور جب یہ مرحلہ سر ہو گیا تو اگلے برس بائیس ہزار مرد و عورت دوڑنے کے لیے جمع ہو گئے۔ ریاست کی پوری طاقت گناہ گاروں کے انفرادی حقوق کی حمایت کے لیے آ گئی اور نیک و شرفاء غنڈے قرار دے دیے گئے جو شریف لوگوں کی سرگرمیوں میں رخنہ ڈال رہے تھے۔ افسوس یہ ہے کہ انقلابی تحریکیں انسانی حقوق کے سنہری جال کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ بنیادی انسانی حقوق کسی اجتماعیت کے نہیں ہوتے۔ انفرادی ہوتے ہیں۔ انفرادی حقوق کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فرد جو کسی نہ کسی مذہبی، قبائلی، سماجی اجتماعیت کا حصہ ہوتا ہے۔ اس اجتماعیت کی مقتدرہ اور اس کے اصولوں کے خلاف بغاوت کر کے ریاست سے اپنی خواہش نفس یعنی آزادی [Freedom] کے تحفظ کا طلب گار رہتا ہے انسانی حقوق وہ مذہب ہے جس کے ذریعے دنیا کے ہر مذہب روایت اور اقدار کے خلاف بغاوت کو مکمل تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ ہر اجتماعیت کسی نہ کسی تصور خیر کسی نہ کسی جبر اور کسی نہ کسی مقتدرہ [اتھارٹی] پر قائم ہوتی ہے دنیا میں کوئی اجتماعیت کسی مقتدرہ [Authority] کے بغیر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی لہٰذا وہ فرد جو اپنی خواہش نفس کی تکمیل کے لیے اپنی اجتماعیت کے اصولوں اور مقتدرہ [Authority] سے بغاوت کرتا ہے وہ ریاست کے تحفظ کا طالب ہوتا ہے۔ انسانی حقوق کا منہاج دراصل ہر فرد کو اس کی اجتماعیت کے طے شدہ اصولوں کے خلاف بغاوت اور اس سے انحراف کو ہر سطح پر محفوظ طریقے سے ممکن بنانے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں رفتہ رفتہ تمام اجتماعیتیں [Collectivitie] تحلیل ہو جاتی ہیں۔ مذہب، قبائل، سماجی گروہ، خاندان کے خلاف افراد کی بغاوت کو انسانی حقوق کے

نام پر تحفظ فراہم کرنے کے باعث تمام جمہوری ملکوں میں تمام اجتماعیتیں ختم ہوچکی ہیں۔اب وہاں پر فرد تنہا ہے اور تنہائی کے دکھ اٹھا رہا ہے۔سپریم کورٹ نے حال ہی میں دولڑکیوں کی شادی کے خلاف لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کو معطل کر دیا۔ بابر اعوان ایڈووکیٹ کا موقف یہ تھا کہ لڑکیوں کی شادی پاکستانی قانون میں جرم نہیں اور یہ فرد کی آزادی [Right of freedom] اور حق ملاپ [Right of Association] کی خلاف ورزی ہے۔ پاکستان میں عورت سے عورت کی شادی کا قانون اس لیے نہیں ہے کہ یہ مذہبی معاشرہ ہے یہاں ایسی شادی کا تصور ممکن ہی نہیں ہے اور مذہبی معاشرتی اجتماعیت اور وحی الٰہی کے خلاف دولڑکیوں کی بغاوت انسانی حقوق کے منہاج میں ان کا حق [right] ہے اور ان کی آزادی [Freedom] میں مداخلت ہے۔اللہ اس کے رسول اور مذاہب عالم یا کسی اجتماعیت کو حق نہیں ہے کہ وہ انسانوں کے بنیادی حقوق میں مداخلت کریں لہٰذا سپریم کورٹ نے دونوں لڑکیوں کی ضمانت منظور کر لی۔اسی عدالتی تحفظ کے ذریعے تمام جمہوری ملکوں میں تمام اجتماعتیں [collectivites] ختم ہوجاتی ہیں۔حتیٰ کہ خاندان تک تحلیل ہوجاتا ہے صرف فرد باقی رہتا ہے۔ مذہبی معاشروں میں روایات اور معاشرتی رویے قانون کا متبادل ہوتے ہیں بلکہ قانون سے زیادہ طاقت ور......دنیا میں سب سے کم قوانین مذہبی معاشروں میں اور سب سے زیادہ قوانین جمہوری لبرل سیکولر معاشروں میں ہوتے ہیں اسی لیے اسلامی ممالک میں لڑکیوں کی آپس میں شادی پر پابندی کا کوئی قانون پندرہ سو سال میں نافذ نہیں ہوا کیونکہ اسلامی معاشرے میں ایسی شادی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا تو پھر قانون کی کیا ضرورت ہے۔لوگوں کے مذہبی تصورات سخت سے سخت قوانین سے زیادہ سخت ہوتے ہیں۔اب یہ صورتحال اسلامی ممالک میں کم زور ہورہی ہے لہٰذا مذہبی جماعتیں حکومت سے روزانہ قوانین بنانے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔بچوں کے لیے، ملازموں کے لیے، عورتوں کے لیے، بوڑھوں کے لیے، ہر ایک کے لیے قوانین بنانے کا مطالبہ کیا جارہا ہے کیونکہ مذہب کی گرفت کم ہونے کے باعث ہر شخص دوسرے کے لیے خطرہ بن چکا ہے لیکن بے چاری انقلابی احیائی مذہبی جماعتوں کو اس صورت حال کا اندازہ ہی نہیں ہے اور وہ فرد کی اصلاح مذہبی روایت تعلیم اسلامی شخصیت کے احیاء کے بجائے مغربی منہاج کے مطابق مسلسل قانون سازی کر رہی ہیں یا قانون سازی کے مطالبے کر رہی ہیں۔انسانی حقوق کے فلسفے میں نجی زندگی کا مطلب صرف اور صرف فرد کی [personal life/ sphere] ہوتی ہے اس کے بیوی، بچے، ماں باپ اس نجی زندگی کا حصہ نہیں ہوتے جیسے ہی آپ ان کو شامل کریں گے یہ معاملہ نجی احاطے سے نکل کر اجتماعی احاطے [public life/ sphere] میں آجائے گا اور اجتماعی زندگی میں آپ کو اپنے تصور خیر کے ذریعے مداخلت کا کوئی حق نہیں اسی لیے امریکہ میں لاکھوں باپ اولاد کی شکایت پر پولیس کی تحویل میں چلے جاتے ہیں اور ہر سال پانچ لاکھ عورتیں مردوں کے خراٹوں کے باعث طلاقیں لے لیتی ہیں کہ مرد خراٹوں سے ان کی نجی زندگی یعنی public life متاثر کر رہے ہیں کیوں کہ وہ other ہیں لہٰذا جمہوری نظام میں قانون خواب گاہ کے اندر تک داخل ہوجاتا ہے۔انسانی حقوق کے تحت کوئی بھی عورت sex worker کے طور پر طوائف کا پیشہ اختیار کرسکتی ہے کسی بھی عورت کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرسکتی ہے کیونکہ Right of association, freedom, equality اس کو یہ تحفظات فراہم کرتے ہیں۔اظہار رائے کی آزادی کے نام پر کسی شخصیت حتی کہ خدا کا بھی مذاق اڑایا جاسکتا ہے۔ یہ فرد کی آزادی ہے اسلام اور مذاہب ایسی کسی آزادی کو تسلیم نہیں کرتے لیکن ہماری مذہبی انقلابی جماعتیں اس کفر پر ایمان بھی لاتی ہیں اور رسول اللہؐ کے کارٹون بنائے جانے پر احتجاج بھی کرتی ہیں۔ان میں ہمت ہی نہیں ہے کہ کھل کر کہہ دیں کہ ہم مغرب کے انسانی حقوق کے فلسفے کو نہیں مانتے کیونکہ انقلابی مذہبی جماعتیں اس موقف کی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جب وہ اس موقف کی قیمت کا اندازہ کرتی ہیں تو ان کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ جمہوری سیاست محض طبقاتی سیاست ہے۔وہی لوگ اور وہی جماعتیں جو کل تک حزب اختلاف میں تھے اور حکومت کے ہر کام میں عیب نکالتے تھے لیکن جیسے ہی اقتدار ان کو مل جاتا ہے اسی لمحے حکومت کے ہر عیب کی کوئی نہ کوئی توجیہہ پیش کی جاتی ہے اور حکومت برحق اور عوام غلط ہوجاتے ہیں۔اقتدار نعمت اللہ خان کے ہاتھ میں ہو

توہر غلطی کا کوئی نہ کوئی معقول سبب ہوتا ہے۔اقتدار ایم کیو ایم کے پاس چلا جائے تو اسے ذلیل ورسوا کرنے کا کوئی حربہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ۔ یہ حسد، بغض، نفرت، عناد، جو اسلام کی نظر میں رزائل خبیثہ ہیں جمہوریت کا خاص ثمر ہے۔ ہماری مذہبی جماعتیں ان امراض میں پوری طرح مبتلا ہیں۔ جمہوریت کے بچھڑے کی پرستش جس کی اساس قرآن کی اصطلاح میں ''حبل الناس'' کے سہارے پر استوار ہے۔جس طرح یہودی حبل الناس کے سہارے زندہ ہیں اسلامی تحریکیں بھی حبل اللہ کے بجائے اس جمہوری سہارے کو اصل سمجھتی ہیں۔اس جمہوریت نے مولانا مودودیؒ جیسے مفکر سے یہ جملہ کہلوایا ''کہ ایوب خان میں سوائے اس کے کوئی خوبی نہیں کہ وہ مرد ہیں اور فاطمہ جناح میں سوائے اس کے کوئی خامی نہیں کہ وہ عورت ہیں'' یہ جملہ صرف جمہوری عمل کے دوران ہی تخلیق ہوسکتا تھا۔کیا ایوب خان کے مقابلے پر پورے ملک سے کام کا کوئی مرد دستیاب نہیں تھا؟ مسئلہ یہ تھا کہ ایوب کو کیسے زک پہنچائی جاسکتی ہے؟ خواہ اس کے لیے شریعت میں تبدیلی ہو کیونکہ اصل مقصد تو جمہوریت کی بحالی ہے یہ بحال ہوگی تو شریعت بھی آہی جائے گی۔ جمہوری عمل نے جمہوریت اور دستوریت کو کنواری مریم کا درجہ دیا جس کے نتیجے میں ہر وفاداری جمہوریت و دستوریت کے تابع ہوگئی حتی کہ اسلام بھی جمہوریت کے لیے قربان کر دیا گیا۔حقوق [Rights] کو خیر [Good] پر فوقیت عطا کر کے Politics of Right کو حقیقت کلی اور خیر محض تسلیم کر کے حرص وحسد اور مفاد پرستی [American Pregmatism] کو اصل خیر مان لیا گیا اس کے نتیجے میں ہر اسلامی تحریک، مذہبی جماعت نے جمہوری عمل کے ذریعے ایوان اقتدار میں داخلے کو اصل خیر حق سچ بلکہ حقیقت مطلقہ [Absolute Reality] سمجھ لیا، یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذہبی جماعتیں ان باتوں کو نظریاتی طور پر نہیں مانتیں لیکن عملاً مذہبی جماعتوں کا طرز عمل انہی نظریات کی کامل پیروی پر مبنی ہے۔اس فلسفے کے تحت غداروں سے جو کبھی اسلامی جماعتوں کی نظر میں کافر اور وطن دشمن تھے۔اسلامی تحریکوں کی نظر میں عظیم محبّ وطن قرار پائے حتی کہ پاکستان میں قاضی حسین احمد نے پیشکش کی کہ اگر بے نظیر پاکستان آئیں تو جماعت اسلامی کے پچاس ہزار کارکن ان کا استقبال کریں گے۔ بے نظیر نے اس فراخ دلانہ پیش کش کا جواب نہ دیا تو اب نواز شریف کے استقبال کی بھرپور تیاریاں ہورہی ہیں۔کل تک اسلام آباد کا گھیراؤ کر کے حکومتوں کو گرانے والے رہنما جمہوریت کی خاطر انہی غداروں کو اپنے کارکنوں کے کندھوں پر بٹھا کر لا رہے ہیں۔اسلامی سیاست کا یہی کام ہے کہ ؎ چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی اگر بالفرض نواز شریف، بے نظیر، مشرف غدار تھے تو ان کی حمایت کرنے والے کس صف میں کھڑے ہیں؟ قرآن کے الفاظ میں کہا جائے تو تمہارے لینے کے پیمانے اور ہیں اور دینے کے پیمانے اور تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے ۔قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ اپنی پاکی کے دعوے مت کرو۔ دوسروں پر فرد جرم عائد کرنے سے پہلے اپنا نامہ اعمال بھی کھول کر پڑھ لو۔ جمہوری عمل کی خباثت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ جب کراچی کے گلی کوچوں میں گھٹنے گھٹنے پانی کھڑا تھا ہر شہری اذیت میں مبتلا تھا، کچی آبادیوں سے لے کر ڈیفنس سوسائٹی کے محلات والے بھی انتہائی مصیبت میں تھے تب جماعت اسلامی کی قیادت ایم کیو ایم پر ہنس رہی تھی اور ایم کیو ایم کو عوام کی نظروں میں ذلیل ورسوا کرنے کے مواقع ڈھونڈ رہی تھی حالانکہ اگر نعمت اللہ برسر اقتدار ہوتے اور یہ بارش ہوتی تو ان کا بھی وہی حشر ہوتا جو اس وقت ایم کیو ایم کا ہو رہا تھا لیکن جمہوریت تو اسی اذیت پرستی کا نام ہے۔ اگر جماعت اسلامی اسلامی روایات پر کاربند ہوتی اپنے تمام اختلافات بھلا کر ناظم کراچی کو اپنی اور اپنے ہزاروں کارکنان کی خدمات غیر مشروط تعاون کے طور پر پیش کرتی کہ اس بحران کے موقع پر ہم آپ کے ساتھ ہیں اور گلیوں کی صفائی کے لیے ہمارے کارکن آپ کی قیادت میں کام کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ قدم جماعت اسلامی اٹھا لیتی تو اپنے مخالفین کے دل جیت سکتی تھی لیکن جمہوری عمل میں تو مخالف کو جس طرح کچوکے لگائے جاسکتے ہوں اور زک پہنچا کر اپنے مستقبل کے اقتدار کو جس طرح ممکن بنایا جاسکتا ہو وہ عین مطلوب ہوتا ہے۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں ایم ایم اے کی حکومتیں مغربی جمہوری سیاست کی مکروہ ترین مثالیں ہیں ایک جانب یہ مذہبی جماعتیں وانا، فاٹا کے مجاہدین کی اخلاقی مالی مدد بھی کرتی ہیں ان کے حق میں تقریریں بھی کرتی ہیں اور دوسری جانب حکومتی سطح

پر منافقت اختیار کر کے اقتدار کا حصہ بھی بنی رہتی ہیں۔ بیک وقت یہ حزب اقتدار بھی ہیں اور حزب اختلاف بھی ان کا اصول جمہوری عمل کو محفوظ رکھنا ہے۔ قرآن وسنت بتاتے ہیں کہ لوگوں اور معاشروں کی اصل محرومی دین سے محرومی ہے لیکن ایم ایم اے اور اسلامی انقلابی تحریکیں وطن، زمین، جمہوریت، تعلیم، معاش، اقتدار، سہولیات سے محرومی کو اصل محرومی قرار دے کر اپنی جدوجہد شروع کرتے ہیں۔ یہ جدوجہد لوگوں کو دین اور آخرت سے غافل کر کے دنیا کا حریص و حاسد بنا دیتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اسلامی تحریکیں عوام کی مادی محرومیوں شریعت پر ترجیح دیتی ہیں اور اپنے لیے روحانی کمی کو اس تضاد کے باعث ان تحریکوں کے لائق فائق ذہین کارکن اس پورے عمل کو سیاسی منافقت، جہالت، دھوکہ دہی سمجھتے ہیں جس کے باعث اسلامی تحریکوں کے نظریات، عقائد، شخصیات سے یا تو ان کی محبت ختم ہو جاتی ہے اور اگر ختم نہ ہو تو ان کی انقلابی، اخلاقی شخصیت اور کردار مسخ ہو جاتا ہے لہٰذا ہمیں عہد حاضر میں اسلامی تحریکوں قیادت اور کارکنوں میں ویسی مغز نما شخصیات نہیں ملتیں جو پچاس کے عشرے تک کثرت سے ہر تحریک میں نظر آتی تھیں ان تحریکوں کو یہ معلوم نہیں کہ انقلابی عمل شخصیت معاشرت اور ریاست تینوں سطح پر مشترکہ طریقے سے اثر انداز ہوتا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ دنیا میں اسلامی شخصیت معاشرت روحانیت غالب ہو لیکن اسلامی ریاست قائم نہ ہو لوگوں کے قلوب دین کے لیے مسخر ہو جائیں لیکن اس کے باوجود اہل حق کو تمکن فی الارض حاصل نہ ہو، سیاسی مذہبی تحریکوں نے انسانی حقوق کے ذریعے فتح کا غیر اسلامی طریقہ اختیار کر لیا ہے اس لیے انہیں غلبہ فتح کی اصل علامت صرف اور صرف پارلیمنٹ کی اکثریت میں نظر آتی ہے۔ لیکن ہر انتخابی عمل کے بعد یہ منزل دور سے دور ہو جاتی ہے جماعت اسلامی اور الجیریا میں اسلامک فرنٹ کی جدوجہد اس ہجر کی کہانیاں تفصیل سے سناتی ہیں انھیں معلوم نہیں کہ پارلیمنٹ میں اکثریت کا استخلاف فی الارض کے ربانی وعدے سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ استخلاف اسلامی طریقوں سے ملتا ہے اور پارلیمنٹ میں اکثریت جمہوری کافرانہ طریقوں سے ملتی ہے۔ یہ ذلیل طرز سیاست جمہوریت کا لازمی حصہ ہے۔ لہٰذا جمہوریت نفرت کی علامت اور محبت کی دشمن ہے جب کہ اسلام محبت کی تعلیم دیتا ہے۔ مستقبل کے پاکستانی سیاسی منظر نامے میں مذہبی جماعتوں کا کیا کردار ہے؟ کیا اسلامی انقلاب کا امکان ہے؟ کیا انھیں معلوم نہیں کہ برطانوی وزارت خارجہ سے لے کر امریکی وزارت خارجہ تک پاکستان میں تبدیلیوں کا فیصلہ اس ملک کے قیام کے پہلے دن سے کر رہی ہے۔ لیکن انقلابی تحریکیں عوام کو اب بھی یہی بتا رہی ہیں کہ فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ پاکستان آزاد ملک ہے ہم آئیں گے یا ہمارے حلیف آئیں گے تو ملک سنور جائے گا۔ کٹھ پتلی وزارتیں اور سفارتیں اسلامی انقلاب کا دروازہ بند کرتی ہیں کھولتی نہیں لہٰذا ہر جگہ نتائج وہی ہیں ڈھاک کے تین پات، جنرل یحییٰ کے مارشل لاء کی حمایت سے مشرف کی وردی میں حمایت تک اسلامی جماعتوں کا سفر شکست در شکست، منافقت، رسوائی، پسپائی کا سفر ہے، زخم پر زخم کھانے کے باوجود رکنے، سوچنے، پلٹ کر دیکھنے اور شرمناک ماضی سے عبرت لینے کی کوئی آرزو ان تحریکوں کے دل میں نہیں کیا دل اتنے سخت ہو سکتے ہیں،...... جیسے پتھر بلکہ پتھر بھی مسلسل پانی کے گرنے سے ٹوٹ جاتے ہیں یا ان میں سے چشمہ بہہ نکلتا ہے۔ پرویز مشرف کو ہٹانے کے لیے مسلم لیگ، ایم آر ڈی، پی پی پی سے اسلامی جماعتوں نے بے شمار توقعات وابستہ کر لیں لیکن جب بے نظیر نے خفیہ مفاہمت کر لی تو وہی بے نظیر پھر ملک دشمن اور غدار وطن و جمہوریت ٹھہریں۔ سوال یہ ہے کہ اتحاد کیوں ہو رہا تھا؟ آپ سے بے نظیر، نواز شریف اور پرویز مشرف کا اتحاد ہو تو سب وفادار غیر سے ہو تو غدار۔ دوسرے لفظوں میں کوئی بھی غدار نہیں سب ہی وفادار ہیں۔ پوری دنیا میں اسلامی جماعتوں کی اس دوغلی منافقانہ حاسد و حریص اور غیر اسلامی حکمت عملی نے پاکستان سمیت تمام اسلامی معاشروں میں غداروں کو قابل عزت بنا دیا ہے۔ یہ جمہوریت اور جمہوری عمل کا سب سے بڑا کارنامہ ہے جس کا اندازہ کسی اسلامی مفکر کو نہیں۔ ایم ایم اے کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ پاکستان میں تبدیلیوں کا فیصلہ کون کرتا ہے؟ عوام، جمہور، اسمبلیاں یہ سب جھوٹ ہے۔ رچرڈ باؤچر، نیگروپونٹے، جیک اسٹرا، ڈک چینی، شمعون پیریز، کولڈا لیزا رائس سعودی حکمران، لبنان کے رفیق الحریری کے بیٹے سعد الحریری، ولید بن طلال یہ سب نواز شریف، بے نظیر اور مشرف حکومت رابطوں میں کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟

ڈک چینی کے پاکستان آنے سے پہلے اسرائیلی رہنما شمعون پیریز سے ملاقات میں کیا بات ہوئی؟ شمعون کے ایماء پر بے نظیر نے اقوام متحدہ میں اسرائیل کے سفیر سے تین گھنٹے ملاقات کیوں کی؟ یہ سب حقائق سامنے ہیں مگر ان اسلامی انقلابیوں کو کچھ نظر نہیں آرہا۔ پہلے یہ غازی عبدالرشید کی مخالفت کر رہے تھے جب وہ صفحہ ہستی پر نہ رہے تو ان کی لاش پر انقلابی سیاست کا صور پھونک رہے ہیں اور کارکنوں کو جذبہ جہاد سے سرشار کر رہے ہیں۔ اگر غازی عبدالرشید کا طریقہ درست تھا تو جماعت اسلامی اپنی جمہوری بساط لپیٹ دے اور اسی طریقے کو اختیار کرے تامل تجاہل اور تساہل کیوں؟ سرکاری سطح پر جماعت اسلامی جمہوری عمل کی پاسداری کر رہی ہے۔ لیکن کارکنان کو مطمئن کرنے کے لیے سرگودھا کے پروفیسر عرفان کے دورس قرآن کے ذریعے انقلاب اور جہاد کے سبق سکھائے جا رہے ہیں۔ امان اللہ شادیزئی کے انقلابی مضامین کے ذریعے کارکنوں کو یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ اب ہم انقلاب کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ پروفیسر عرفان کی جماعت اسلامی کے کارکنان اور عوام میں مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ان کے درس قرآن میں دس دس ہزار کا مجمع اکٹھا ہو جاتا ہے جب کہ قاضی حسین احمد کے جلسے میں چند ہزار لوگوں کو بڑی مشکل سے اکٹھا کیا جاتا ہے۔ یہ عجیب دوغلے رویے ہیں جن کی کوئی توجیہہ ممکن نہیں۔ اس کے باوجود ایم ایم اے یا تو پرویز مشرف سے سودے بازی چاہتی ہے یا بے نظیر یا نواز شریف سے سوال یہ ہے کہ یہ تینوں مہرے کس کے ہیں؟ کیا انقلابی اسلامی جماعتوں کا کام صرف سودے بازی، اور ''او' پازیٹو گروپ کے کردار تک محدود رہ گیا ہے جو Donor group کہلاتا ہے۔ ایم ایم اے کی تمام تر سیاست صرف وردی اور بغیر وردی کے ایک نکاتی ایجنڈے کے جمہوری محور پر مرتکز ہے۔ پوری دنیا میں اسلامی تحریکیں اس محور پر گردش کر رہی ہیں۔ ملک میں تبدیلی، انقلاب، تغیر کا کوئی خیال بھی ان کے حاشیہ ذہن میں نہیں؟ اس نظام کو بدلنے کی ہلکی سی یہ امنگ، آرزو، خواہش، تمنا بھی ان کے اندر موجود نہیں ہے۔ چونکہ اسلامی تحریکیں مغرب کے کفر سے علمی طور پر واقف نہیں اس لیے یہ موجودہ مغربی نظام کو برحق بلکہ آخری حق سمجھتے ہیں علماً نہ سہی لیکن عملاً۔

جماعت اسلامی نے جنرل یحیٰی کی فوجی حکومت کے تحت مشرقی پاکستان میں ڈاکٹر مالک کی کابینہ میں وزارتیں حاصل کیں۔ جنرل ضیاء الحق کی کابینہ میں قومی اتحاد نے شمولیت اختیار کی۔ اس وقت ان فوجی حکومتوں کے تمام اقدامات عین حق، خیر، ملکی وملی مفاد میں تھے۔ ان حکومتوں کی کارکردگی بھی مثالی تھی۔ لیکن جیسے ہی ضیاء الحق سے اختلاف ہوا تمام خامیاں آمریت اور فوجی حکومت میں نظر آنے لگیں۔ یہ منافقت جمہوریت کے مذہب کی ایمانیات کا حصہ ہے۔ پورا جمہوری عمل صرف اقتدار کے حصول اقتدار کی پوجا یا اقتدار کی مدحت، مذمت وتردید کے محور پر گردش کرتا ہے جس کا نام حزب اختلاف اور اقتدار ہے۔ دونوں حاسد حریص اور مفاد پرست ہوتے ہیں۔ اس ایمان وعمل کے بغیر جمہوریت کا سفر شروع ہی نہیں ہوتا۔ دنیا کے ہر حصے میں اسلامی تحریکیں، انقلابی جماعتیں، جمہوری عمل، دستوریت کے فروغ کے نام پر غداروں کو وفاداری کی سند عطا کرتی ہیں جس کے نتیجے میں اسلامی معاشروں میں غدار وفادار، خدا کے دشمن اور خدا کے دوست، شریعت پر عامل اور شریعت کے دشمنوں میں کوئی خط امتیاز باقی نہ رہا لہٰذا غداری وفاداری کے خطابات ماضی کا قصہ ہو گئے ہیں ان انقلابی تحریکوں کی اس منافقانہ حکمت عملی کے باعث ان کے ذہین عالم فاضل کارکن [Intelegensia] ان سے الگ ہو کر لبرل بن جاتے ہیں یا گوشہ نشین ہو جاتے ہیں لہٰذا جہلاء کم صلاحیت رکھنے والے ان اسلامی انقلابی تحریکوں کی صف اول کی قیادت میں تیزی سے ابھر رہے ہیں جو علوم اسلامی اور علوم مغربی سے یکسر ناواقف ہیں یہ وہ طریقہ [Discourse] ہے جس کے نتیجے میں اسلامی جماعتوں سے ذہین عبقری لوگوں کا تیزی سے انخلاء ہو رہا ہے۔ یہ ذہین لوگ لبرل ازم لبرل آرڈر کا آلہ کار بن جاتے ہیں یا اسلام کی ایسی کریہہ تصور پیش کرتے ہیں جو لبرل ازم کی تائید وتوثیق پر مبنی ہو۔ وحید الدین خان، ڈاکٹر منظور احمد ریکٹر اسلامی یونیورسٹی، ارشاد احمد حقانی، صفدر چوہدری، ڈاکٹر محمود احمد غازی، ڈاکٹر ممتاز، اسرار عالم، ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی، محمد الغزالی، یوسف قرضاوی، مصر کا وسطانیہ گروپ اسلامی تحریکوں کی ناکام علمیت وحکمت عملی کی جیتی جاگتی مثالیں ہیں۔ ترکی میں سلیمان دیمرل سے لے کر نجم الدین اربکان اور عبداللہ گل تک اسلامی تحریکوں کا سفر رسوائی اور پسپائی کا

سفر ہے جس میں ہر ہر قدم پر اقتدار کی خاطر اسلام کے بنیادی اصولوں حتی کہ نصوص صریحہ سے تک انحراف اور بغاوت صرف اس لیے برداشت کی گئی کہ جمہوری عمل جاری وساری رہے خواہ اس کے نتیجے میں جمہوریت پر شریعت کو قربان کر دیا جائے۔ قرآن حکیم کی نصوص صریحہ میں تبدیلی تغیر ردو بدل کی اجازت رسالت مآب ؐ کو بھی نہیں دی گئی جب کفار نے آپ ؐ کو پیش کش کی کہ قرآن میں سے کچھ چھوڑ دو اور کچھ ہم سے لے لو تو آپؐ نے انکار فرما دیا۔ رسالت مآب محبوب ربانی تھے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ آپ جیسی ہستی قرآن حکیم میں کوئی ردو بدل فرما دے یا خواہشات غیر پر چلنے کا ادنیٰ تصور بھی فرمائے اس کے باوجود امت مسلمہ کو متنبہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور [اے سننے والے کسے باشد] اگر تو ان کی خواہشوں پر چلا بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا ہو تو اس وقت تو ضرور ستم گار ہوگا۔ [البقرہ: ۱۴۵] یہی مضمون البقرہ آیت ۱۲۰ میں بیان ہوا ہے۔ اس علم کے باوجود جو آپ کے پاس آچکا ہے اگر آپ نے لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلے میں آپ کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔ [الرعد: ۳۷] ہم نے آپ کو دین کے معاملے میں ایک صاف شاہراہ شریعت پر قائم کیا ہے آپ اس پر چلیں اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کریں جو علم نہیں رکھتے۔ [الجاثیہ ۱۸۔۱۹] آپ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں ہوشیار رہیں کہ یہ لوگ آپ کو فتنے میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے آپ کی طرف نازل کی ہے۔ [المائدہ ۴۹] اور اگر انھوں نے خود گھڑ کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کی ہوتی ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی ہمیں اس کام سے روکنے والا نہ ہوتا۔ [الحاقہ ۴۵۔۴۶] اور ہرگز نہ خوش ہوں گے تم سے یہود اور نہ عیسائی لوگ یہاں تک کہ پیروی کرو ان کے دین کی کہہ دو کہ بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور بے شک اگر پیروی کر سکتے تم ان کی خواہشوں کی بعد اس کے جو آملا تم کو علم نہ ہوتا تمہارے لیے اللہ والوں سے کوئی یار اور نہ کوئی مددگار۔ [البقرہ ۱۲۰] ...... کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرو ان سے کہو یہ میرا کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدیل کر لوں میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے [یونس: ۱۵] کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں حالانکہ اس نے پوری تفصیل کے ساتھ آپ کی طرف کتاب نازل کر دی ہے...... لہٰذا آپ شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو آپ رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے کوئی اس کے فرامین کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے۔ اور اگر آپ کے ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلے جو زمین میں بستے ہیں تو اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ [الانعام ۱۱۳۔۱۱۷] کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرو آپ کہہ دیجیے میرا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کروں میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں۔ [یونس: ۱۵] اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ [خواہ کوئی مانے یا نہ مانے] میں خود مسلم بن کر رہوں [یوسف: ۷۲] حضرت یوسفؑ نے دعوت گناہ کو رد کر کے محل کی آرام دہ زندگی کو نظر انداز کر کے ہنسی خوشی جیل کی زندگی پسند کی انھوں نے کسی pregmatism کو ترجیح نہ دی [یوسف: ۳۳] جو آج کی اسلامی تحریکوں کا پسندیدہ ترین کام ہے۔ لہٰذا اللہ کے دین پر مکمل عمل کرنے والوں کے لیے کامیابی ہے۔ انبیاء کو لوگوں کی خواہشات کا اتباع کرنے کی اجازت نہیں دی گئی [الشوریٰ: ۱۵] تو اسلامی تحریکوں کو یہ اجازت کیسے مل سکتی ہے؟ قرآن حکیم نے ایسے لوگوں کے لیے واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مومنین سے وعدہ ہے کہ جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انھیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے۔ [عنکبوت ۲۹] غلبہ، اقتدار، استخلاف فی الارض کا یہ وعدہ النور: ۵۵، الحج: ۴۱ اور ابراہیم: ۱۳۔۱۴ یوسف ۱۰۱: ۵۶ میں کیا گیا ہے۔ اللہ کا یہ وعدہ سچا ہے کیونکہ لا یخلف اللہ وعدہ اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا مگر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ [الروم ۶] انقلابی تحریکوں کو اپنی شکست کی وجوہات ان ربانی وعدوں میں تلاش کرنی چاہیے۔ رسول اللہ کو قرآن میں ترمیم کی اجازت نہیں تھی تو اسلامی انقلابی تحریکیں اقتدار کی خاطر قرآن و سنت کی نصوص میں کیسے ترمیم کر سکتی ہیں اس رویے کی کوئی وضاحت قابل قبول نہیں سوائے اس کہ معذرت پیش کی جائے۔ انقلابی تحریکیں اگر اس طرح غلبہ دین کے لیے جدوجہد نہیں کریں گی تو اللہ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہارا رب بے نیاز اور مہربان ہے۔ اس کا شیوہ ہے اگر وہ

چاہے تو تم کو لے جائے اور تمہاری جگہ دوسرے جن لوگوں کو چاہے لے آئے جس طرح اس نے تمہیں کچھ اور لوگوں کی نسل سے اٹھایا ہے۔ [الانعام:۱۳۳] اللہ ہمارا یا تحریکوں کا محتاج نہیں۔ انقلابی تحریکوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ دین کا غلبہ قرآن وسنت کے بتائے ہوئے طریقے سے مطلوب ہے اس کے سوا غلبہ دین کا ہر مغربی کافرانہ غیر مسنون طریقہ اللہ کو پسند نہیں ہے دین کے نام پر دین میں کتر بیونت اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ کا دین آج کے زمانے میں نا قابل عمل ہے ایسے انقلابی اور اسلامی لوگوں کے لیے قرآن کا ارشاد ہے۔ تو کیا پھر یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ [المائدہ:۵۰] ترکی کی انقلابی اسلامی قیادت نصوص صریحہ میں کتر بیونت کر کے اگر اسلام کا غلبہ چاہتی ہے تو وہ بدترین جاہلیت کے راستے پر ہے دنیا بھر کی کئی انقلابی اسلامی احیائی تحریکیں خود ساختہ نظریہ ضرورت کے تحت ہر جگہ شریعت پر مصالحت اور مفاہمت کے ذریعے اپنی منزل کھو رہی ہیں اور اپنے ایمان کو بھی خطرے میں ڈال رہی ہیں۔ دین جوں کا توں قبول کرنا ہوگا۔ If یا But دین کو قبول نہیں ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو دشمنان دین سے کسی مصالحت کی اجازت نہیں دی گئی اور قرآن کریم کو جوں کا توں پہنچانے کا حکم دیا گیا تو اسلامی انقلابی تحریکیں مصلحت حکمت مصالحت حالات کے تقاضے زمینی حقائق، کمتر برائی، جیسے غیر اسلامی فلسفوں کے ذریعے اپنے ادھورے، لنگڑے لولے، معذور اور لبرل یا سیکولر اسلام کا کوئی جواز نہیں رکھتیں۔ یہ تصور ہی نہایت گھناؤنا ہے کہ شریعت کی بالادستی اور شریعت کے احیاء کے نام پر شریعت میں نصوص صریحہ میں حالات و زمانے کے تقاضوں کے تحت کتر بیونت کر لی جائے۔ عیسائیوں یہودیوں اور کفار یا عہد حاضر کے مغرب کو مطمئن اور خوش کرنے کی ہر کوشش اللہ کے نزدیک لعنت، عذاب، ذلت اور رسوائی کی مستحق ہے اسی لیے انقلابی تحریکوں کو جوڑ توڑ سے کہیں اگر حکومت مل بھی جاتی ہے تو حکمت معاملہ فہمی، قوت فیصلہ نہیں ملتی جو حضرت داؤد اور تمام انبیاء کرام کو حکومت کے ساتھ عطا کی گئی [البقرہ:۲۵۱، یوسف:۲۱-۲۲] کیونکہ حکمت کا سرچشمہ زہد، شریعت کے سامنے مکمل تسلیم و رضا ہے لہٰذا ان انقلابیوں کی حکومتیں بھی ناکام ہوجاتی ہیں۔ سوشلسٹوں کے علمی رسالے New Left Review نے ترکی میں عبداللہ گل کے انتخاب کو مارچ، اپریل ۲۰۰۷ء کے شمارے میں Nato Islamists کا جو خطاب دیا ہے وہ غلط نہیں ہے۔ ترکی کا اسلام مغرب کا پسندیدہ اسلام ہے۔ عبداللہ گل کی جماعت مغرب کی پسند کے مطابق اسلام کی کتر بیونت پر بخوبی آمادہ ہے۔ عبداللہ گل اربکان سے کئی قدم آگے بڑھ کر مغرب کے حلیف بن گئے ہیں اور صرف ثقافتی اسلام کے علمبردار ہیں جو فرد اور فرد کی نجی زندگی تک محدود رہ کر خالص ذاتی دائرے کی چیز بن جاتا ہے اور ریاست و معاشرت و سیاست سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ اسرائیل سے عسکری معاہدہ اربکان کے زمانے میں ہوا۔ امریکہ کے ساتھ عالمی دہشت گردی میں شرکت کی یقین دہانی بھی اربکان کے زمانے میں ہوئی۔ مغربی استعماریت سے سیاسی مصالحت کے صلے میں اسلام پسندوں کو ترکی کے سیکولرازم میں اظہار ذات اور اظہار جذبات کی ایک محدود آزادی عطا کر کے دوطرفہ فائدے مغرب نے اٹھائے ایک جانب اسلام پسندوں کی قوت سے سوشلسٹوں کو کچلا گیا اور اسلام پسندوں کے ذریعے اسلام کا ایسا کریہہ چہرہ ترکی کے مسلمانوں کے لیے تیار کیا گیا جو پچاس برس تک اتاترک کی سیکولر دہشت گردی کے باوجود صحیح سلامت رہ گیا تھا عبداللہ گل یورو پی یونین کا رکن بننے کے لیے اسلام کی دائمی حدود میں بھی قطع و برید کر چکے ہیں اور مسلسل یورپ کو یقین دلا رہے ہیں کہ ترکی یورپی یونین کے کافرانہ قوانین کے مطابق اسلام کی بخیہ گری کرتا رہے گا۔ افسوس یہ ہے کہ پاکستان کے دائیں بازو کے صحافیوں اور اسلامی تحریکوں کے رہنماؤں کو ترکی میں اسلام کی پسپائی کا کوئی علمی ادراک نہیں ہے صرف جذباتیت نعرے بازی ہنگامہ آرائی اور خوشنما مستقبل کی دلفریب امیدوں سے یہ نادان اسلامی انقلاب کا سورج طلوع کر رہے ہیں۔ انقلابی تحریکوں کی پچاس سال سے مسلسل شکست بھی ان کے لیے عبرت و نصیحت کے دروازے نہیں کھول سکی یہ تاریخی المیہ ہے۔ ترکی کے اسلامسٹ اسلام کو وہ نقصان پہنچائیں گے جو مصطفیٰ کمال اتاترک نہیں پہنچا سکا۔ اسلام کا یہ جمہوری چہرہ جو ترکی میں ابھر رہا ہے عالم اسلام کے لیے اتاترک سے بڑا خطرہ ہے اس کے نتیجے میں اسلام کو جو شدید دھچکہ پہنچے گا اس کا ازالہ اور امالہ کبھی ممکن نہ رہے گا۔ ترکی کا جدید انقلابی اسلام از ہر کے جدید اسلام سے زیادہ

خطرناک ہے۔ یہ اسلام مغربیت جدیدیت اور شہوات نفس کی اسلام کاری کا فریضہ اس خوبصورتی سے انجام دے رہا ہے کہ مغرب بھی یہ کام آج تک نہیں کرسکا۔ جمہوریت سیاست مفادات کے سمجھتے اصولوں پر سودے بازی صرف اقتدار کی غلام گردشوں میں گردش کرنے کا شوق اسلامی انقلابی جماعتوں کو کہاں لے گیا ہے؟ اس کا چھوٹا سا ثبوت ایم ایم اے کی کارکردگی کا اخبار میں تازہ ترین اشتہار ہے جس میں قاضی حسین، فضل الرحمان و دیگر کی مسکراتی ہوئی تصویریں ہیں اور نیچے درج ہے کہ ایم ایم نے خاندانی منصوبہ بندی کی سہولت کا دائرہ صوبہ سرحد کے اسی فیصلہ عوام تک وسیع کر دیا ہے اور اس مقصد کے لیے ہزاروں ہنرمندوں کو روزگار دیا گیا ہے۔ حرام کاری کے مواقع اسی فیصد عوام تک وسیع کرنے پر ایم ایم اے کو فخر ہے شرم نہیں ہے۔ یہ بے شرمی جمہوریت کا نتیجہ ہے دنیا کے تمام جمہوری معاشرے دنیا کے بدترین بے شرم معاشرے ہوتے ہیں۔ ایک حرام کام کو عام کرنے اس کا اشتہار دینے، اس پر فخر کرنے اور اس کو اعلیٰ کارکردگی کی علامت سمجھنے والی جماعت کہاں کھڑی ہے۔ اس سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس اشتہار پر دینی حلقوں میں کوئی غوغا تک نہیں اٹھا۔ یہ وہ رواداری، بے حسی، بے غیرتی ہے جو مغرب کو مطلوب ہے لہٰذا اس بے غیرتی کے حصول کا سب سے موثر، غیر متنازعہ تیر بہ ہدف نسخہ جمہوری عمل اور جمہوری ادارے ہیں جو بھی ان میں ایک بار داخل ہوا اپنے ایمان اور آخرت کا سودا کر کے دنیا میں ذلیل و رسوا ہو کر نکلا اور آخرت میں کیا حشر ہوگا یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ قرآن حکیم نے جگہ جگہ اس مضمون کو دہرایا ہے کہ مومنین کو جب بھی ہم استخلاف فی الارض عطا کریں گے تو وہ زمین پر زکوٰۃ اور صلوٰۃ کا نظام قائم کریں گے [النور:۵۵، البقرہ:۲۵۱، الحج:۴۱] لیکن انقلابی اسلامی تحریکوں نے جہاں جہاں بھی انتخابات میں حصہ لیا یا دنیا میں جہاں جہاں انقلاب برپا کیا وہاں عوامی فلاح و بہبود کے وعدوں سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی کے ذریعے اعلیٰ معیار زندگی مہیا کرنے کے دعوؤں، اور مادی آسائش کے نعروں کے سوا کوئی پیغام پیش نہیں کیا۔ ڈاکٹر حسن الترابی تو فرماتے ہیں کہ میں ایسے عالم کو لے کر کیا کروں جو دل کے مریض کا علاج نہیں کرسکتا گویا اصل عالم تو ماہر امراض قلب ہے لہٰذا اسلامی تحریکوں کو جب بھی اقتدار ملا ان کے منشور میں نظام زکوٰۃ اور نظام صلوٰۃ کے سوا ہر نکتہ، ہر مادی ترقی، ہر موضوع شامل رہا۔ ایم ایم اے نے صوبہ سرحد میں اپنی پانچ سالہ کارکردگی کا جو اشتہار شائع کیا ہے اس میں ملازمتوں، سہولتوں، خاندانی منصوبہ بندی، فلاح و بہبود کے منصوبوں کا ذکر ہے لیکن کہیں نظام زکوٰۃ یا صلوٰۃ کے قیام کا ذکر نہیں۔ قیام تو دور کی بات ہے اس نظام کے نفاذ کی آرزو کی ہلکی سی جھلک بھی اس اشتہار میں موجود نہیں ہے جہاں جہاں انقلاب لایا جا رہا ہے وہاں صرف جمہوریت، جمہوری اداروں فلاح و بہبود سالانہ قومی آمدنی، برآمدات میں اضافہ، سائنس و ٹیکنالوجی کے فروغ کے مغربی نعروں کو دین کے متبادل سمجھ کر اختیار کر لیا گیا ہے۔ یہ المیہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر اللہ کے بندوں کے اقتدار کے مقاصد وہی ہیں جو نظام کفر کی داعی حکومتوں کے ہیں تو پھر اسلامی انقلاب کی کیا ضرورت ہے؟ ایسی انقلابی، اصلاحی، احیائی تحریکوں اور جماعتوں سے خدا کی ہزار بار پناہ جو شریعت کے نام پر مقبولیت حاصل کر کے شریعت کو منہدم کرتی ہیں ان انقلابی جماعتوں کو دیکھنے کے بعد قدامت پرست علماء اور ان کا اپنی علمیت پر ثبات، دوام ہی اسلام کے تحفظ کا واحد راستہ رہ گیا ہے۔ انقلابی اسلامی تحریکیں جن کی قیادت عموماً نہ علوم اسلامی سے واقف ہے نہ علوم مغرب سے اگر علماء کی قیادت اور ان کی مسلمہ علمیت قبول کرنے سے بچتی رہی، تو یہی انقلابی تحریکیں اسلام کے لیے مغرب سے بڑا خطرہ بن سکتی ہیں ترکی اس سلسلے میں عالم اسلام کے لیے عمدہ مثال ہے۔ اس تمام تنقید کا حاصل صرف یہ ہے کہ اسلامی انقلابی تحریکیں اپنے جذبات پر شریعت کو مقدم رکھیں، اپنی خامیوں کی اصلاح کریں، اپنے رویوں اور حکمت عملی کو مشیت الٰہی اور سنت نبوی کے تابع کر دیں، نتائج کی پروا کیے بغیر راہ ہدایت پر پیش قدمی کریں اور اسلامی انقلاب اسی طرح برپا کریں جس طرح اللہ اور اس کے رسول کو مطلوب ہے اگر آج کل کے حالات میں یہ ممکن نہیں تو یہ کام ترک کر کے کوئی اور کام کریں کیونکہ انقلاب تو ناممکن حالات میں امکانات اور گھٹا ٹوپ اندھیرے میں روشنی پیدا کرنے کا نام ہے جو لوگ اس ہمت، صلاحیت، اہلیت استعداد سے عاری ہوں وہ امت پر احسان نہ کریں اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کا کام کسی اور سے لے لے گا۔